

دنیاۓ اسلام پر استثنائی اثرات - ایک جائزہ (۲)

مفسرین اور ان کے متبعین:

عالم اسلام میں تفسیر قرآن کے باب میں بھی استثنائی اثرات نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے مسلم اہل تفسیر نے اپنی تعبیرات قرآنی کو استثنائی نتائج فکر سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ ان معروف اہل تفسیر کے بہت سے عقیدت مندوں اور متبعین نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور وہی طرز تفسیر اپناتے ہوئے استثنائی تصورات سے تطابق کی سعی کی ہے۔ اس سلسلہ میں دنیاۓ اسلام کے دو نمایاں ترین افراد یعنی مفتی محمد عبدہ اور سرسید احمد خاں اور ان کے متبعین اور حلقہ فکر کے لوگوں کے تفسیری نکات کا مختصر تذکرہ ضروری آگے کے لیے کفایت کرے گا۔

عالم عرب میں تہجد کا علم بلند کرنے والوں میں سب سے نمایاں نام مفتی محمد عبدہ کا ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ وہاں تہجد پسند مکتب خیال کا وجود ہی ان کا مرہون منت ہے۔ ۱۶ انہوں نے جدید تصورات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے قرآنی آیات میں تاویلی امکانات کو نہایت وسیع کر دیا۔ ان کے نزدیک جنات سے جراثیم یا مائیکروب ۷ اور آدم سے ہرنسل کا الگ مورث اعلیٰ ۸ مراد لینے میں کچھ مذاقہ نہیں۔ وہ سورہ العصر کی آیت ۳ کی تفسیر میں 'صالحات' کے تصور کو آفاقیت کا رنگ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ صرف حاملان شریعت تک ہی محدود نہیں بلکہ ان اقوام تک بھی ممتد ہے جن میں پیغمبر نہیں آئے اور یہی وہ چیز ہے جسے قرآن 'معروف' سے تعبیر کرتا ہے۔ ۹ گویا صالح ہونے کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ مفتی صاحب نے سورہ الفیل میں لشکر ابرہہ کی تباہی کے خارق عادت واقعہ کو عقلیت پسندوں کے لیے قابل قبول بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ عین ممکن ہے کہ جن سنگریزوں سے لشکر ابرہہ کی تباہی ہوئی وہ زہریلی خشک مٹی کے ہوں اور ہوا کے ذریعہ یہ مٹی اڑ کر پرندوں کے پاؤں سے چمٹ گئی ہو اور پھر جب یہ مٹی لشکر کے افراد پر گری ہو تو ان کے مساموں داخل ہو کر آبلے ڈال دیے ہوں اور یوں اعضائے جسمانی سے گوشت جھڑنے لگا ہو۔ ۱۰

مفتی محمد عبدہ کے نظریات بقول Malcolm H. Kerr آئندہ آنے والے اعتمادی مکتبہ خیال کے افراد کے لیے بنیاد کا کام دینے لگے۔ ۱۱ مصنف مذکور نے حاشیہ میں تصریح کی ہے کہ مفتی کے عقائد و تصورات کو بعد ازاں ان کے

* لیکچر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا۔ drshahbazuos@hotmail.com

شاگرد مکمل لادینیت اور سیکولرازم کی طرف لے گئے۔ ۲۷

مفتی صاحب کے ایک نامور شاگرد محمد رشید رضا ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن بنیادی طور پر ایک روحانی کتاب ہے جس میں دنیوی امور سے متعلق بہت کم احکام ملتے ہیں۔ زیادہ تر اختیارات 'اولی الامر' کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، بہبود عامہ کو پیش نظر رکھ کر فیصلے کیا کرتے تھے۔ گویا بعض اوقات ان کے فیصلے سنت کے خلاف بھی ہوتے۔ گویا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ شرعی تفصیلات کی بجائے ضروری نہیں اور بنیادی مصلحت فلاح عامہ کی رعایت ہے۔ ۳۷ رشید رضا کے نزدیک احادیث بھی بحیثیت مجموعی قابل اعتنا نہیں بلکہ صرف وہی احادیث قابل قبول ہیں جو عملی نوعیت کی ہیں اور جن پر امت مسلمہ میں مسلسل عمل کا ثبوت ملتا ہے۔ ۴۷ معجزات سے متعلق رشید رضا کی رائے تھی کہ اب معجزات کا زمانہ گزر گیا۔ یہ اس وقت کا قصہ ہیں جب انسانیت ابھی عہد طفولیت میں تھی۔ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی انسان ذہنی بلوغ کے زمانے میں داخل ہو گیا اور معجزات کا زمانہ جاتا رہا۔ ان کے معجزات و خوارق کو عقلی رنگ دینے کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ سورہ یوسف کی آیت ۹۴ کی تفسیر میں خوشبوئے یوسف کے معجزانہ تصور کو قابل التفات نہ سمجھتے ہوئے موقف اختیار کرتے ہیں کہ صاف اور سیدھی سی بات ہے کہ یہ کوئی جنت کی خوشبو نہ تھی بلکہ تمیض کی یہ بو یوسف کے جسم کی بو تھی جیسی کہ بالعموم ہوتی ہے۔ ۵۷

مفتی محمد عبدہ کے ایک اور شاگرد قاسم امین نے آزادی نسواں کا علم بلند کرتے ہوئے حجاب کے خاتمے اور یورپی اخلاقیات کو اپنانے کی دعوت دی۔ ان کے مطابق مغرب کی اخلاقیات کو اپنانے بغیر وہاں کی سائنس کو اپنانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ ۶۷ قاسم امین نے دعویٰ کیا کہ بے پردگی کی دعوت میں دین اسلام سے کوئی مخالفت نہیں پائی جاتی۔ ان کا کہنا تھا کہ شریعت کے وہ احکام جو مروجہ عادات و معاملات پر مبنی ہیں ان میں حالات زمانہ کے مطابق تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔ ۷۷ وہ مغربی عورتوں کو اپنی خواتین کے لیے بطور نمونہ پیش کرتے ہوئے ان کی تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔ ۸۷ مفتی محمد عبدہ کے ایک اور معروف شاگرد علی عبدالرزاق ہیں۔ وہ دین و دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کے تمام احکام مذہبی ضابطہ پر مشتمل ہیں جن کا تعلق تمام تر عبادت الہی اور نوع انسانی کی مذہبی فلاح و بہبود سے ہے۔ جہاں تک شہری قوانین کا تعلق ہے وہ انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیے گئے ہیں اور مذہب کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ دنیاوی انتظام و انصرام کی خاطر خدا نے یہی کافی سمجھا کہ ہمیں ذہن و دماغ عطا کر دیے۔ ۹۷ مفتی کے دبستان فکر کے افراد میں سے محمد رفیق صدیقی اور شیخ طحطاوی جوہری نے قرآن کو موجودہ سائنس سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آیات قرآنی کی نہایت عجیب و غریب تاویلات کی ہیں۔ ۱۰۷

قرآن کی جس طرز کی متجددانہ تعبیر کی بنیاد عالم عرب میں مفتی محمد عبدہ نے رکھی تھی، برصغیر میں اس طرز کی متجددانہ تفسیر قرآن کے بانی سر سید احمد خاں ہیں۔ اہل مغرب اور مستشرقین سے تاثر کے نقطہ نظر سے سر سید عبدہ سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے قرآنی بیانات کو جدید تصورات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے متفق علیہ تفسیری اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ ان کی 'تفسیر القرآن' میں، بقول سید عبد اللہ، روایات سے بغاوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ ۱۱۷ انہوں نے ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کی مطابقت کا اصول پیش کیا اور پھر قرآن میں کسی معجزہ یا خوارق کے

تذکرہ کے روایتی تصور کو یکسر مسترد کر دیا۔ ان کے نزدیک قرآن اور دیگر کتب سماوی میں معجزات کا جو ذکر ہے وہ تمثیلی و استعاراتی یا افسانوی رنگ لیے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر ٹرول کے مطابق سرسید کو انکار معجزات کی راہ دکھانے میں معجزاتی عناصر پر ولیم میور کی تنقید نے نمایاں حصہ لیا۔ میور کی تقلید میں سرسید اس بات کے قائل ہو گئے کہ حضور کی پیدائش سے متعلق بیان کیے جانے والے معجزات سب شاعرانہ تخلیق ہیں۔ ۸۲ سرسید نے سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کی تفسیر میں حضور کے معراج جسمانی سے متعلق تمام احادیث کو ناقابل اعتبار اور ان کے بیان کو خلاف قانون قدرت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ”واقعات خلاف قانون فطرت کے وقوع کا ثبوت اگر گواہان روایت بھی گواہی دیں تو محالات سے ہے“ اور اس کے بعد تفصیلی بحث کر کے معراج رسول کو خواب میں پیش آنے والا روایات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۸۳ یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ وہ قرآن میں کہیں بھی معجزہ مذکور ماننے سے انکاری ہیں۔ اس سلسلہ میں بنی اسرائیل کے عبور دریا اور موسیٰ و عیسیٰ کے دیگر معجزات کی بھی انہوں نے عجیب و غریب اور دور از کار تاویلات کی ہیں۔ ۸۴ ان کا کہنا ہے کہ حضور کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا اور حضور کے پاس کوئی معجزہ نہ ہونے سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے سابقین میں سے بھی کسی کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا۔ جن واقعات کو لوگ معروف معنوں میں معجزات کہتے ہیں وہ درحقیقت معجزات نہ تھے بلکہ قانون فطرت کے مطابق وقوع پذیر ہونے والے واقعات تھے۔ ۸۵

سرسید کے نزدیک نبوت ایک فطری چیز ہے۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموس اکبر یا جبریل اعظم کہا جاتا ہے، کوئی ایلی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ جس طرح تمام ملکات انسانی کسی محرک کے پیش نظر اپنا کام کرتے ہیں اسی طرح ملکہ نبوت بھی کسی مخصوص امر کے پیش نظر فعال ہو جاتا ہے۔ ۸۶ وہ جس طرح جبریل کو ملکہ نبوت کہہ کر جبریل کے خارجی وجود سے انکار کرتے ہیں ایسے ہی تمام ملائکہ، شیطان اور جنات کا بھی خارجی وجود تسلیم نہیں کرتے۔ ۸۷ تخلیق و ہبوط آدم سے متعلق آیات کو ڈاروینی ارتقاہیت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے آدم کے شخصی وجود سے انکار کرتے ہوئے بڑے زور دار الفاظ میں کہا ”آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں جس کو عوام اور مسجد کا ملا باوا آدم کہتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد نوع انسانی ہے۔“ ۸۸ سرسید حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ کو اصول دین میں شامل نہیں سمجھتے۔ انہوں نے بقول مولانا حالی اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعہ احادیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کے قطعی الثبوت نہیں اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جو ابہدہ خود علماء و مفسرین اور فقہاء و مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دیا۔ ۸۹

سرسید کے چنداں ہم معاصر ہم خیالوں اور تبعیین میں مولوی چراغ علی، ممتاز علی اور سید امیر علی شامل ہیں۔ مولوی چراغ علی کا کہنا ہے قرآن کو کوئی مخصوص ضابطہ حیات یا سماجی و سیاسی قوانین عطا نہیں کرتا۔ اس کا تعلق محض فرد کی زندگی کے اخلاقی پہلو سے ہے۔ آنحضرت نے کوئی سماجی و قانونی ضابطہ مرتب کیا نہ ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو ایسے نظام قائم کرنے کی اجازت دے دی گئی جو ان کے گرد و پیش ہونے والی سیاسی اور معاشرتی تبدیلیوں سے وقت کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگی پیدا کر سکیں۔ کلاسیکی اسلامی قانون بنیادی طور پر شریعت نہیں بلکہ وہ رواجی

قانون ہے جس کے اندر ایام جاہلیت کے عربی اداروں کے باقی ماندہ اجزا و عناصر یا وہ احادیث شامل ہیں جو اکثر جعلی ہیں اور غلط طور پر پیغمبر اسلام کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ ۹۰ فقہاء اسلامی قانون کے سلسلہ میں مقصود قرآنی کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی روح کو شرعی عمل سے دبا دیا اور وہ ابتدائی مشرقی روایاتی رسمیں جاری کر دیں جنہیں قرآن درحقیقت مذموم قرار دے چکا تھا۔ ۹۱

سرسید کے ایک اور معاصر پیر و ممتاز علی ہیں۔ ممتاز علی نے عورتوں کی آزادی کے مسئلہ کو خصوصیت سے موضوع بحث بنایا۔ وہ ان روایتی دلائل کو سختی سے مسترد کرتے ہیں جن کے مطابق مرد جسمانی طور پر زیادہ مضبوط، زیادہ دانش مند، نسبتاً کم جذبائی اور کم توہم پرست ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ خدا کے خلیفہ اور نائب ہونے کا اعزاز رکھتا ہے اور کتب سماوی اس کو عورت کے برعکس متعدد شادیاں کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔ وہ مرد اور عورت کی مکمل مساوات کے قائل ہیں بلکہ وہ عورت کی مرد پر فوقیت کے حامی ہیں۔ ان کے نزدیک سورہ النساء کی آیت ۳۴ میں تو امون اور فضل کے الفاظ کے تناظر میں عورت کے مقابلہ میں مرد کے تفوق کی کلاسیکی تاویلات قرآن کی صحیح ترجمان ہونے کی بجائے ان ادوار کے مروج قوانین کی آئینہ دار ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ عورتیں ان مردوں پر فوقیت رکھتی ہیں جو ان کے لیے کام کرتے ہیں۔ ۹۲ ممتاز علی کے خیال میں حوا کے مقابلہ میں آدم کی تخلیقی اولیت اور استحقاقی فوقیت یہودی اور عیسائی عقیدہ ہے نہ کہ قرآنی۔ تعدد ازاں کو قرآن نے شرط عدل کے ذریعہ ناممکن العمل بنا کر منسوخ کر دیا ہے۔ ۹۳ عورت کی آزادی سے معاشرے کے اخلاقی معیارات کے ڈھیلے ہو جانے کے خطرہ کا واہلا کیا جاتا ہے حالانکہ خدا نے عورت کو آزاد اور مساوی درجہ پر پیدا کیا ہے۔ بد اخلاقی کا تعلق عورت کی آزادی کی بجائے مرد کے مسخ شدہ جذبات سے ہے۔ عورت اور مرد کی علیحدگی کے عادی معاشروں کو مخلوط معاشروں کے اخلاقی معیارات پر پورا اترنے کے لیے وقت چاہیے۔ ۹۴

سرسید کے ایک اور نامور معاصر ہم خیال سید امیر علی ہیں۔ یہ مولانا حالی کے مطابق مغربی اہل الرائے سے اسلام کی عذر خواہیوں اور توضیحات میں اور اسلامی معاشرتی اور مذہبی خیالات کی از سر نو تعمیر اور جدید خیالات کی ترویج میں سرسید احمد خاں کے پیرو تھے۔ ۹۵ ان کی مشہور تصنیف The Spirit of Islam نے صرف مغرب ہی میں قبولیت عامہ حاصل نہیں کی بلکہ برصغیر اور مصر کے مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ ۹۶ سید امیر علی نے اپنی اسلامی تعبیرات میں استثنائی اور مغربی تصورات سے ہم آہنگی کی جا بجا کوشش کی ہے۔ فرشتوں اور شیطان کا خارجی وجود اور حشر جسمانی کو تسلیم کرنے سے بچنے کے لیے انہوں نے ان چیزوں سے متعلق قرآنی بیانات کو بلا جھجک شاعرانہ اسلوب بیان اور حضورؐ کے دینی شعور کے درجہ کمال سے پہلے کے اور زرتشتی و تلمودی الاصل تصورات سے تعبیر کیا ہے۔ سورہ الانفال کی آیت ۹ میں بیان کردہ واقعہ کو اسلوب بیان کی ساحری اور شاعرانہ بلاغت سے تعبیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”فرشتوں کے خدا کی طرف سے جنگ کرنے کے تصور میں جو شاعرانہ عنصر ہے اس کے نقش و نگار کو قرآن میں موئے قلم کی جن سادہ جنبشوں سے ابھارا گیا ہے وہ خوبصورتی اور بلاغت میں زبور کی بلیغ ترین عبارتوں کا مقابلہ کرتی ہے اور دونوں میں ایک ہی طرح کی شعریت ہے“۔ ۹۷ بلائکہ ایک داخلی تصور ہے۔ جن چیزوں کو آج ہم قوانین فطرت کہتے ہیں پرانے لوگ انہی کو فرشتے یعنی آسمانی کارپرداز خیال کرتے تھے۔ شیطان سے متعلق حضورؐ کے اقوال کا

تجزیہ کریں تو بھی ایک موضوعی تصور سامنے آتا ہے جسے آپ نے اپنے پیروکاروں کے فہم کے مطابق الفاظ کا جامہ پہنایا۔ ۹۸ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ رسول عربی نے اپنے ماننے والوں سے حسی لذات کی جنت اور عیش و عشرت کے مختلف مدارج کو وعدہ کیا، جہالت اور تعصب کا نتیجہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ درمیانی دور کی سورتوں میں، جب کہ معلم اسلام نے ابھی شعور دینی کا درجہ کمال حاصل نہیں کیا تھا اور جب کہ اس بات کی ضرورت تھی کہ عقوبتی اور جزا و سزا کے تصورات کو ایسے الفاظ کا جامہ پہنایا جائے جو سیدھے سادھے بادیہ نشینوں کی سمجھ میں آسکیں۔ جنت و جہنم کے واقعیت نما نقشے، جو زرتشتیوں، صابیوں اور تلمودی یہودیوں کی پادروا قیاس آرائیوں پر مبنی تھے، پڑھنے والے کی توجہ ضمنی حاشیہ آرائیوں کے طور پر اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لیکن ان کے بعد قرآن کا جو ہر خالص آتا ہے یعنی کمال عجز و محبت سے خدا کی عبادت۔ حوریں زرتشتی نژاد ہیں۔ اسی طرح جنت بھی زرتشتی الاصل ہے البتہ جہنم عذاب الیم کے مقام کی حیثیت سے ایک تلمودی تخلیق ہے۔ ان کے واقعیت نما مناظر کی بنا پر یہ سمجھنا کہ حضور اور آپ کے پیروکاران کو واقعی مبنی برحیثیت سمجھتے تھے، محض ایک افتراء ہے۔ ۹۹

تعداد زوج کے حوالے سے سید امیر علی کی رائے ہے کہ یہ مطلق العنان بادشاہوں کے زمانے کی یادگار ہے جسے ہمارے ترقی یافتہ دور میں بجا طور پر ایک خرابی سمجھا جاتا ہے۔ قرآن نے فی نفسہ اس کی ممانعت کر دی ہے۔ ترقی یافتہ مسلم جماعتوں میں رفتہ رفتہ یہ تصور پختہ ہوتا جا رہا ہے کہ یہ چیز تعلیمات محمدی کے بھی اسی قدر منافی ہے جس قدر جدید تمدن و ترقی کے۔ لہذا یورپ کو اس سلسلہ میں قدیم مسلم فقہاء کی من مانیوں اور مصلحت کو شیوں پر نہیں جانا چاہیے بلکہ جدید اسلام کا تحمل و ہمدردی سے مشاہدہ کرنا چاہیے جس میں قدما پرستی کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کیا جا رہا ہے۔ ۱۰۰

ذرا آگے چل کر سرسید کے مکتبہ خیال سے متعلق دو نمایاں نام محمد علی لاہوری اور غلام احمد پرویز ہیں۔ محمد علی لاہوری نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بقول سرسید کے لٹریچر اور ان کے تفسیر قرآن کے اسلوب کو پورے طور پر جذب کر لیا تھا۔ ۱۰۱ اوہ اپنی تفسیر میں مختلف مسائل سے متعلق اسی طرح کی تشریحات پیش کرتے ہیں جو جدید نظریات و معلومات سے متصادم نہ ہوں۔ معجزات و خوارق کا انکار کرتے ہوئے ان کی عقلی تاویلات کرتے ہیں۔ مثلاً بنی اسرائیل کے عبور دریا سے متعلق سرسید کا جو ار بھائے والا انداز استدلال اپناتے ہوئے اسے ایک عام واقعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ۱۰۲ موسیٰ کو بارہ چشمے معجزانہ طور پر نہیں بلکہ ایلیم کے ایک پہاڑ سے ملے تھے۔ ۱۰۳ سورۃ البقرہ کی آیت ۷۲ اور ۷۳ کے حوالے سے عام مفسرین یہ خیال کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے اپنے چچا کو پوشیدہ طور پر قتل کر دیا تھا اور اس کا راز جاننے کے لیے گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم سے لگانے کے لیے کہا گیا تھا حالانکہ یہ معمولی واقعہ نہیں۔ اس میں حضرت عیسیٰ کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔ بعضہا کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی بعض قتل سے اس کو مار دویا فعل قتل اس پر پورا وارد نہ ہونے دو۔ ۱۰۴ مسیح تین گھنٹے صلیب پر رہے مگر وفات نہیں پائی۔ بعد ازاں طبعی عمر پوری کر کے وفات پائی۔ ۱۰۵ مسیح کے کشمیر آنے اور بعد از وفات وہاں دفن ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ ۱۰۶ حضرت مسیح پیدا بھی معجزانہ طور پر نہیں بلکہ مریم اور یوسف کے صنفی تعلق سے عام بچوں کی طرح ہوئے تھے۔ ۱۰۷ سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ میں حضرت عیسیٰ کے تخلیق طیر سے استعارہ ایسے لوگ مراد ہیں جو زمین اور زمینی چیزوں سے اوپر اٹھ کر خدا کی طرف پرواز کر

سکیں۔ اور احمیائے موتی سے روحانی مردوں کا احیاء مراد ہے کیونکہ جسمانی طور پر مر جانے والوں کا اس دنیا میں دوبارہ آنا قرآن کی اصولی تعلیم کے خلاف ہے۔ ۱۰۸ حضرت سلیمان کے حوالے سے علمنا منطق الطیر سے پرندوں کی بولیاں جاننا نہیں بلکہ پرندوں کی نامہ بری مراد ہے۔ نمل کوئی چیونٹی نہیں بلکہ وادی نمل کی باسی قوم تھی۔ ہد پرندہ نہیں بلکہ سلیمان کے محکمہ خبر رسانی کا آدمی تھا۔ عفریت من الجن قوی الجیۃ انسان تھا۔ سلیمان کی ماتحتی میں کام کرنے والے جن ان غیر قوموں کے لوگ تھے جنہوں نے بنی اسرائیل کی ماتحتی کا جو اٹھایا ہوا تھا۔ ۱۰۹

غلام احمد پرویز مغربی فکر سے تاثر اور سرسید کے زاویہ فکر کو اختیار کر کے مخصوص تناظر میں اسے مزید وسعت دینے میں خاصہ نمایاں ہیں۔ پروفسر عزیز احمد نے انہیں سرسید سے لے کر لحد موجود تک کے تمام جدید پسندوں میں مغربی نقطہ نظر کے سب سے زیادہ قریب قرار دیا ہے۔ ۱۱۰ حدیث کی حجیت و ثقاہت کے حوالے سے انہوں جس طرح استثنائی فکر سے ہم آہنگی اختیار کی اس کا مختصر ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک پہلو تھا۔ انہوں نے نہایت وسیع پیمانے پر مغربی نتائج فکر سے تطابق کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں کہ ”میں نے انسانی فکر کی اڑھائی ہزار سالہ کدو کاوش کا مطالعہ قرآن کی روشنی میں کیا (یا قرآن کا مطالعہ اس فکر کی روشنی میں کیا) تو قرآن کا ایک ایک دعویٰ زندہ حقیقت بن کر میرے سامنے آ گیا۔“ ۱۱۱ مذکورہ تناظر میں پرویز نے متعدد موضوعات پر کلام کیا ہے۔ جدید مغرب میں چونکہ کائنات کے عام مشاہد تو ان میں کسی بھی طرح کی ماورائی مداخلت (جس سے خدا کا قادر مطلق ہونا ثابت ہوتا ہے) کو جہالت و وہم پرستی قرار گیا تھا ۱۱۲ چنانچہ پرویز صاحب بھی ایسے تصور کو غلط سمجھتے ہیں جس میں خدا کو اختیار مطلق حاصل ہو اور وہ کسی قاعدے اور ضابطے کا پابند نہ ہو۔ قرآنی الفاظ: کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃُ ۱۱۳ کی تشریح میں پابندی و اختیار کے حوالے سے خدا اور بندے کی مختلف حیثیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بندے پر جو پابندی لگائی گئی ہے وہ اس کے خلاف کر سکتا ہے جب کہ خدا نے اپنے اوپر جو پابندی لگائی ہے وہ اس کے برعکس نہیں کرتا۔ ”اس اعتبار سے دیکھئے تو انسان صاحب اختیار رہتا ہے اور خدا ”مجبور“۔“ ۱۱۴

رسول اللہ کو پرویز صاحب نے اپنی تعبیرات قرآنی میں نظام حکومت اور مرکزی اتھارٹی کا ہم معنی قرار دیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے ”حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسول (مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسران تک پہنچایا جائے۔“ ۱۱۵ ملائکہ ان کے نزدیک فطرت کی قوتیں ہیں۔ قصہ آدم میں ملائکہ کا آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد درحقیقت فطرت کی قوتوں کا بنی نوع انسان کے لیے مستحکم کیا جانا ہے۔ ۱۱۶ شیطان کوئی موجود فی الخارج ہستی یا شخصیت نہیں بلکہ انسان کے اپنے فیصلوں، ارادوں اور جذبات سے عبارت ہے۔ ۱۱۷ جنات سے قرآن کی مراد جنگلی، صحرائی اور خانہ بدوش انسان ہیں۔ ۱۱۸ جہنم قرآن کی رو سے کسی گڑھے یا ایسے مقام کا نام نہیں جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اور مجرموں کو اس میں جھونک دیا جائے۔ بلکہ دراصل یہ انسان ہی کے قلب سوزاں کی کیفیت اور اعمال بد کے نتیجے میں اس کے اندر پیدا ہو جانے والے اضطراب پیہم اور کرب مسلسل کا نام ہے۔ ۱۱۹ جنت ایسی مثالوں سے عبارت ہے جو قرآن کے اولین مخاطب عربوں کے لیے متاثر کن تھیں۔ گھنے باغات جن میں صاف شفاف چشمے ہوں اور ان کا ٹھنڈا پانی چاروں طرف بہ رہا ہو، درخت پھلوں سے لدے، دودھ اور شہد کی ایسی

افراط کہ گویا ان کی نہریں بہ رہی ہوں، اعلیٰ درجے کے قالین اور صوفے بچھے ہوئے محلات، جن میں حریر و اطلس کے پردے آویزاں، بلوریں آفتابے، چاندی سونے کے ظروف، لطیف گوشت، خوش ذائقہ مشروبات، ہم مزاج، ہم رنگ، ایک آہنگ احباب کی محفلیں۔ تپتے ہوئے صحراؤں کے باسی عربوں کی زندگی ظاہر ہے اسی طرح کی مثالوں سے سنجائی جاسکتی تھی۔ ۱۲۰۔ انسان اشرف المخلوقات نہیں۔ ۱۲۱۔ آدم سے کوئی خاص انسان یا بشر مراد نہیں۔ قصہ آدم خود نوع انسانی کی سرگذشت ہے۔ ۱۲۲۔ معجزہ قانون فطرت کے خلاف ہے اور قرآن کی رو سے کوئی واقعہ خلاف قانون فطرت رونما نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں معجزات کا وجود بروئے قرآن غلط ہے۔ ۱۲۳۔

چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ایک انتہائی سزا ہے جس کے عملی اطلاق کا موقع قریب قریب ناممکن ہے اور قطعید سے در حقیقت مراد ایسا طریق اختیار کرنا ہے کہ چور چوری سے باز آجائیں۔ ۱۲۴۔ تعدد ازواج ایسی شرائط سے مشروط ہے کہ یہ قریباً ناممکن العمل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ۱۲۵۔ قرآن نے دراصل ایک وقت میں ایک ہی بیوی کا اصول مقرر کیا ہے۔ اگر کسی وقت بیوی سے نباہ کی صورت نہ رہے تو قرآن کی رو سے اس کی موجودگی میں دوسری بیوی کی اجازت نہیں ہاں البتہ اس کی جگہ دوسری بیوی لائی جاسکتی ہے۔ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۱۲۶۔ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو تو اس کے لیے پہلی بیوی سے معاہدہ نکاح فسخ کرو۔ ۱۲۷۔ معیشت کے مسئلے کا حل مارکسی فکر میں پنہاں ہے۔ ۱۲۸۔ رزق کا معاملہ خدا نے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ یہ مذہبی پیشوائیت کی فریب کاری ہے جو عوام کو اس غلط عقیدہ کی انہون دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کرتی رہتی ہے۔ صاحب اقتدار گروہ وسائل پیداوار اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے اور پھر دوسرے انسانوں کو روٹی کا محتاج بنا کر ان سے اپنا حکم منواتا ہے۔ جب بھوکے انسان اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو مذہبی پیشوائیت انہیں یہ کہہ کر سلا دیتی ہے کہ رزق کی تقسیم خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے وہ جسے چاہتا ہے امیر بنا دیتا جسے چاہتا ہے غریب رکھتا ہے جسے چاہتا رزق فراوان عطا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے بھوکا رکھتا ہے کوئی انسان اس فرق کو ماننا نہیں سکتا۔ ۱۲۹۔

مرزا غلام احمد قادیانی سے متعلق بھی یہ کہنا بے جا نہیں کہ انہوں نے سرسید احمد خاں اور ان کے مدرسہ فکر سے شہ حاصل کی۔ شیخ محمد اکرام کے مطابق مولوی چراغ علی سے مرزا کی خط و کتابت تھی اور جہاد سے متعلق وہ مولوی صاحب کے ہم خیال تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے متعلق انہوں نے سرسید کے خیالات کی پیروی کی۔ ۱۳۰۔ نبی نبوت کی گنجائش بھی اہل تہجد نے فراہم کر دی تھی۔ بنا بریں یہ بات ناقابل فہم نہیں کہ مرزا قادیانی نے اس سلسلہ میں انہی کے خیالات سے استفادہ کیا۔ تاہم قادیانیت کے ظہور میں نوآبادیاتی نظام اور انگریزوں کا کردار غیر معمولی ہے۔ مرزا کا عقیدہ تھا کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق خدا سے ہے اور دوسرے کا امن امان قائم کرنے والی حکومت سے۔ امن امان قائم کرنے والی حکومت چونکہ اس وقت حکومت برطانیہ ہے لہذا اس سے سرکشی اسلام سے سرکشی کے مترادف ہے۔ ان میں انگریز پرستی کا جذبہ اس قدر شدید تھا کہ وہ اس معاملے میں اپنے مخالفین کو احمق و نادان بلکہ حرامی اور بدکار قرار دیتے تھے۔ ۱۳۱۔

نتیجہ بحث:

اوپر کی بحث سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ مستشرقین نے اہل اسلام کو اپنے دین سے متعلق شکوک شبہات میں مبتلا کرنے، تجدد و مغربیت اختیار کرنے اور عہد نو کے تقاضوں کی دہائی دے کر اسلام کو جدید مغربی نقطہ نظر سے ہم آہنگ کرنے پر مائل کرنے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ ان کی یہ کوشش بے نتیجہ نہیں رہی۔ ان کی فکر نے عالم اسلام میں بہت سے لوگوں کے عقل و شعور اور روح و بدن میں نفوذ حاصل کر لیا۔ مسلمانوں میں ایسے بہت سے افراد سامنے آنے لگے جنہوں نے اپنی قوموں کو لفظ و معنی اور حقیقت و شکل ہر اعتبار سے مغربی سانچے میں ڈھلنے کی دعوت دی۔ اسلامی احکامات و تعلیمات سے بیزاری پیدا ہونے لگی یا ان کی ایسی تعبیرات پیش کی جانے لگیں جو مغربی معیارات سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھتی ہوں۔ یہ لوگ اسلامی عقائد و احکام میں سے ہر اس عقیدہ و حکم کو تاویل کی سان پر چڑھانے یا بدل ڈالنے میں مصروف ہو گئے جو اپنی اصلی شکل میں جدید مغربی یا مغرب سے متاثر ذہن کے لیے قابل قبول دکھائی نہ دیا۔ یوں بقول کینیول سمجھ یہ معذرت خواہ نہ صرف اپنے بلکہ بہت سے دیگر مسلمانوں کے ایمان و یقین میں انتشار و تزلزل کا سبب بنے۔ ۱۳۲ ڈاکٹر رفیع الدین نے تجدد پسندوں کی خواہش اجتہاد کی حقیقت واضح کرتے ہوئے صحیح کہا ہے کہ ان کی یہ خواہش بالعموم ان کی اسلام سے محبت کا نتیجہ ہونے کی بجائے الناس سے بیزاری اور دیگر افکار و نظریات سے محبت کا ثمر ہے۔ اجتہاد کی اس خواہش کا مقصد اسلام کی بنیادی و حقیقی باتوں کی دریافت و وضاحت نہیں بلکہ اسے دیگر نظریات کے قریب تر لانا ہے تاکہ ان نظریات کے حامل اور دلدادگان کو مطمئن کیا جاسکے۔ یہ شریعت کے اندر سے فطری ارتقاء کے نتیجے میں سامنے آنے والا اصلی اجتہاد نہیں بلکہ امکانی حد تک اسلام میں اپنے پسندیدہ دیگر افکار و خیالات کے دخول اور شریعت کے تکمیل کی سعی ہے۔ ۱۳۳

حوالہ جات و حواشی

- ۶۶۔ چارلس سی آدم، حوالہ مذکور، ص ۳۹۸۔ ۶۷۔ ایضاً، ص ۱۹۹۔ ۲۰۰۔
- ۶۸۔ ایضاً، ص ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۶۹۔ مفتی محمد عبدہ، تفسیر سورہ العصر، قاہرہ، ۱۹۲۶ء، ص ۱۹۔
- ۷۰۔ وہی مصنف، تفسیر جزم، مطبع مصر، ۱۳۳۱ھ، ص ۱۵۸۔
71. Kerr, Malcolm H, Islamic Reforms: The Political and Legal theories of Muhammad Abduh and Rashid Rida, Cambridge, University press, 1961, p.105.
72. Ibid. p. 106.
- ۷۳۔ رشید رضا، تفسیر المنار، جلد ششم، قاہرہ، ۱۳۷۵ھ، ص ۵۶۲۔
- ۷۴۔ وہی مصنف، تفسیر المنار، جلد دوم، ۱۳۶۷ھ، ص ۳۰۔
- ۷۵۔ وہی مصنف، تفسیر سورہ یوسف، قاہرہ، ۱۹۳۶ھ، ص ۱۲۰؛ تفسیر المنار، جلد اول، قاہرہ، ۱۳۷۳ھ، ص ۳۱۵۔
76. Hourani, Albert, Arabic Thought in the Liberal age, Oxford

University press, 1962, pp. 168-169.

- ۷۷۔ قاسم امین، تحریر المرآة، قاہرہ، ۱۸۹۹ء، ص ۱۶۹۔
۷۸۔ وہبی مصنف، المرآة الجدیدہ، قاہرہ، ۱۹۰۰ء، ص ۱۸۵-۱۸۶۔
۷۹۔ علی عبدالرزاق، الاسلام و اصول الحکم، قاہرہ، ۱۹۲۵ء، ص ۸۲-۸۵۔
۸۰۔ مثال کے طور پر دیکھیے: طحطاوی جوہری، الجواهر فی تفسیر القرآن، جلد اول، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۱-۲۳۲،
چارلس سی آدم، حوالہ مذکور، ص ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۵۵۔
۸۱۔ سید عبداللہ، سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان،
۱۹۹۳ء، ص ۳۰-۳۲۔
۸۲۔ ٹرول، ڈاکٹری ڈبلیو، سرسید احمد خاں: فکر اسلامی کی تعبیر نو (مترجمین، ڈاکٹر قاضی افضل حسین اور محمد اکرام
چغتائی)، لاہور، القراٹھ پرائز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۰۶-۲۰۷۔
۸۳۔ تفسیر القرآن مع اصول تفسیر، لاہور، دوست ایبوسی ایٹس، ۱۹۹۵ء، ص ۱۰۷-۱۱۹۔
۸۴۔ ایضاً، ص ۱۲۷-۱۶۲، ۳۹۹، ۴۱۳، ۴۲۶، ۴۲۷۔ ۸۵۔ ایضاً، ص ۵۸۰۔
۸۶۔ ایضاً، ص ۹۰-۹۶، ۵۶۵-۵۷۸۔ ۸۷۔ ایضاً، ص ۱۰۶-۱۰۸، ۱۱۷، ۶۱۳-۶۲۵۔
۸۸۔ ایضاً، ص ۱۲۳۔
۸۹۔ حالی، مولانا الطاف حسین، حیات جاوید، لاہور، ہجرہ انٹرنیشنل، ۱۹۸۲ء، حصہ اول، ص ۲۳۱۔

90. Chirragh Ali, The proposed political, legal and social reforms in
the Ottoman Empire and other Muhammdan States, Bombay,
1883, pp.10-12.

91. Ibid.pp.112-113.

- ۹۲۔ ممتاز علی، حقوق نسواں، لاہور، ۱۸۹۸ء، ص ۵-۷۔
۹۳۔ ایضاً، ص ۷-۳۷۔ ۹۴۔ ایضاً، ص ۲۳-۹۴۔
۹۵۔ حالی، مولانا الطاف حسین، حیات جاوید، حوالہ مذکور، ص ۱۶۳۔
۹۶۔ احمد امین، زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، قاہرہ، ۱۹۴۸ء، ص ۱۳۹-۱۴۵۔
۹۷۔ امیر علی، سید، روح اسلام (مترجم، محمد ہادی حسین)، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۲۔
۹۸۔ ایضاً، ص ۱۵۳-۱۵۴۔ ۹۹۔ ایضاً، ص ۳۲۶-۱۰۰۔ ایضاً، ص ۳۵۸، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۱۔
۱۰۱۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا، قادیانیت: مطالعہ و جائزہ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء، ص ۱۸۰۔
۱۰۲۔ محمد علی لاہوری، بیان القرآن، لاہور، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، جلد اول، ۱۳۷۷ھ، ص ۶۲، جلد دوم، ص ۱۲۳،
جلد سوم، ۱۳۳۲ھ، ص ۱۳۹۱-۱۳۹۲۔
۱۰۳۔ ایضاً، جلد اول، ص ۶۹-۷۰۔ ۱۰۴۔ ایضاً، ص ۷۸-۷۹۔

- ۱۰۵۔ ایضاً، جلد ۳۳۱-۳۳۲، ۳۳۳، ۳۹۹، ۵۷۵-۵۷۶، جلد دوم، ص ۳۸-۱۲۶۲۔
- ۱۰۶۔ ایضاً، جلد اول، ص ۳۱۰، جلد دوم، ص ۱۳۲۳۔
- ۱۰۷۔ ایضاً، جلد اول، ص ۳۱۴-۳۱۵۔ ۱۰۸۔ ایضاً، ص ۳۲۰-۳۲۶۔
- ۱۰۹۔ ایضاً، جلد سوم، ۱۴۰۸-۱۵۳۶، جلد دوم، ص ۱۲۷۸۔
- ۱۱۰۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت (مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی)، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۳۲۲-۳۲۳۔
- ۱۱۱۔ پرویز، غلام احمد، انسان نے کیا سوچا، لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۔
112. Longman, Green & co; Pub. by, Supernatural Relegion, London, 1874, Vol. II. p. 480.
- ۱۱۳۔ الانعام ۶: ۱۲۔
- ۱۱۴۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، جلد پنجم، ص ۱۲۔
- ۱۱۵۔ ایضاً، جلد چہارم، ص ۳۸۴۔ ۱۱۶۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۶۷-۷۰۔
- ۱۱۷۔ ایضاً، ص ۵۰-۵۲۔ ۱۱۸۔ ایضاً، ص ۳۱-۳۲۔
- ۱۱۹۔ ایضاً، جلد اول، ص ۳۲۷-۳۲۸۔ ۱۲۰۔ ایضاً، ص ۳۳۳-۳۳۴۔
- ۱۲۱۔ ایضاً، جلد دوم، ص ۴۱۔ ۱۲۲۔ ایضاً، ص ۶۲۔
- ۱۲۳۔ ایضاً، جلد چہارم، ص ۹۳۔ ۱۲۴۔ ایضاً، ص ۵۰۳-۵۱۰۔
- ۱۲۵۔ ایضاً، جلد سوم، ص ۳۲۸-۱۲۶-النساء ۴: ۲۰۔
- ۱۲۷۔ پرویز، غلام احمد، مطالب الفرقان، جلد سوم، ص ۳۴۶۔
- ۱۲۸۔ ایضاً، جلد اول، ص ۱۱۵-۱۱۶-۱۳۲۔
- ۱۲۹۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔
- ۱۳۰۔ محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۸۔
- ۱۳۱۔ قاضی جاوید، سرسید سے اقبال تک، لاہور، تخلیقات، ۱۹۹۸ء، ص ۹۳۔

131. Smith, Wilfred Cantwell, Op. Cit. p. 122.

132. Rafi-ud-din, Dr, "The task of Islamic Research", The Pakistan times, Lahore, August 2, 1963.

”جہاد-کلاسیکی و عصری تناظر میں“

کے عنوان پر ماہنامہ الشریعہ کی خصوصی اشاعت
بعض انتظامی مسائل کی وجہ سے مارچ ۲۰۱۱ء میں پیش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

————— ماہنامہ الشریعہ (۲۴) فروری ۲۰۱۲ —————